بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

انتخابات کے سیاسی میچ میں جماعتِ اسلامی کی ٹیم کا کھیل کیسا رہا ؟

اس سوال کا جواب ہم نے پچھلے ماہ کے تبصرہ میں شامل نہیں کیا، بلکہ اس خیال سے مؤخر کر دیا کہ ذرا ٹھنڈی فضا میں ہم اپنے آپ کو تحسینی یا احتسابی نگاہوں سے دیکھ سکیں۔ پھر اگلا کام یہ ہو کہ آئندہ کے لیے نوٹس یا خطوطِ کار تیار کر لیں۔

یہ کام بڑی حد تک مجلسِ شوریٰ اور عاملہ کے اجلاس بلا کر امارت و قیادت نے کر ہی دیا ہے۔

ہم اپنے قارئین کے سامنے یہ صورتِ واقعہ رکھنا چاہتے ہیں کہ جہاں تک امیرِ جماعت کا تعلق ہے انہوں نے ملک و ملت کی بہبود کے لیے بہت دوڑ دھوپ کی، گفت و شنید کے مراحل طے کیے اور اطراف سے صحت مند ذہن کے اکابر سے تعاون کرتے ہوئے بڑی مدبرانہ صلاحیت کا ثبوت دیا۔ بساطِ سیاست پر انتخابی کھیل کے لیے اسلام اور پاکستان سے تھوڑی بہت نسبت رکھنے والے منتشر مہروں کو اِدھر اُدھر سے اکٹھا کر کے ایک صف کھڑی کر دی۔ ہماری اپنی نظر میں یہ ایک بڑی قربانی ہے کہ ہماری قیادت نے ملک و ملت کے مفاد کو برتر رکھا اور جماعت کے لیے سیٹوں کے حصول کو ثانوی درجہ دیا۔

یہ بات تو بالکل واضح ہے اور ہم کسی حریفانہ جذبے سے نہیں کہہ رہے، کہ مسلم لیگ جو اپنے آئین دورِ اقتدار (جس میں وہ ہمہ مقتدر رہتی)، کے خاتمے کے بعد[1] اور لمبے دورِ افتراق اور اور آخری زمانۂ اضمحلال

[1] ہماری رائے میں ملک کی بڑی خوش قسمتی ہوتی کہ تحریکِ پاکستان کو چلانے (باقی بر صفحہ آئندہ)

انتشار سے گزرنے کے بعد ایسی حالت کو پہنچ گئی تھی کہ بہت سے منتشر اور معطل افراد مسلم لیگ کے نام سے انتخابات کے میدان کا رُخ کرنے کے لیے پر تول رہے تھے۔ بالعموم ان میں ایسے لوگ تھے، جن کو مختلف مسلم لیگوں کے دائرے سے ہوائے مفاد کا ایک ہی زوردار جھونکا پی پی پی کی بزمِ ناز میں پہنچا سکتا تھا۔ "اسلامی جمہوری اتحاد" کے قیام کی وجہ سے نسبتہً بہتر لوگ سامنے آگئے، پھر ان کو ایک مضبوط موقف اختیار کرنا پڑا۔ تب بتیجۃً اتنی کچھ معرکہ آرائی ہوسکی جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔ قاضی صاحب کا نقشہ تو یہ تھا کہ جونیجو مسلم لیگ بھی اتحاد میں شامل ہوجائے، نیز مذہبی جماعتوں کے متعلق بھی توقع یہی تھی کہ اہم مصالحِ ملّی کو ملحوظ رکھ کر اور خرقہ وارانہ جکڑبندیوں سے آزاد ہوکر نسبتہً زیادہ قوت بہم پہنچائیں گی۔ مگر مہلتِ قلیل میں وہ سب کچھ نہ ہوسکا جو سوچا تھا۔ اگر مطلوبہ صورت پیدا ہوجاتی تو انتخابی سیاست کا اونٹ کسی اور کروٹ بیٹھتا۔

تاہم جو کچھ قوت جمع ہوسکی اور جتنا کچھ اتحاد عمل میں آسکا اس کا ماحصل بہت اچھا تو نہیں، مگر بہت بُرا بھی نہیں۔ مرکز کی مضبوط اپوزیشن، سینیٹ کی اکثریت، ایک غیر جانب دار صدر، پنجاب میں اسلامی جمہوری اتحاد کی اکثریتی حکومت اور سرحد و بلوچستان میں مستقلاً غیر یقینی صورتِ حال کا ہونا، ایسے عوامل ہیں کہ پی پی پی کی حکومت اب کوسِ "انا ولا غیری" بجانے کے قابل نہیں ہے۔

اِس ساری تگ ودو میں ہمارا حصہ اتنا ضرور ہے کہ مختلف اطراف سے جماعت کی طرف انگلیاں اُٹھا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور پاکستان کو بنانے والی جماعت ہی اپنے اعلانات اور عوام سے کیے گئے وعدوں اور دُنیا بھر کو سنائے ہوئے نعروں کے عین مطابق یہاں خدا کی اطاعت اور خلق کی خدمت کا صحیح نظام قائم کرتی۔ کاش کہ اُسے عہدوں کی شطرنجی سیاست اور مفاد پرستی کا جادۂ خیانت و کنبہ پروری مسحور نہ کرلیتا۔ اور مزید مبارک صورت یہ ہوتی کہ کامل اجادہ داریٔ اقتدار کے بجائے، وہ نئے مشکل حالات میں ضروریاتِ مقصد کو پورا کرنے کے لیے کسی بھی ہم مقاصد قوت کا تعاون حاصل کرلیتی۔ مگر ایسا مقدر نہ تھا جس کے بڑے بُرے نتائج بھگتنے پڑے۔ آئندہ بھی کوئی چارۂ کار اس کے سوا نہیں ہے کہ مسلم لیگ نظریہ، مقصد اور کردار کے لحاظ سے اپنے مضبوط آدمیوں کو جمع کرکے کسی جذبۂ دین رکھنے والی ہم مقصد جماعت کے ساتھ تعاون کرکے اپنی تعمیرِ نو کرے

یہ کہا گیا کہ ساری شرارت اس چھوٹی سی قوت کی ہے۔ بی بی سی اور پی پی پی نے بھی ہمیں قصوروار ٹھہرایا۔ ستم یہ کہ مسلم لیگ کے گیلری میں بیٹھے اور سیاست کے بے دخل شدہ بعض بزرگوں نے بھی ہمارے قصور کے تذکرے کو غیظ و غضب کی بلونی سے خوب مھینٹا اور بلویا۔ مگر ع

گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

حقیقت یہ ہے کہ ہم تو کچھ بھی نہیں، کسی کے لیے وجۂ پریشانی نہیں — عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ
ہم نے تو ملت کی خاطر مسلم لیگ کے بھلے اور خدمت کا کام کیا اور اس میں بھی نام کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس خاموش کام اور بے مزد کام۔ بلکہ اس خدمت پر سزا بھی قبول!

یہ تو ایک جزوی استثنائی بات ہے، در حقیقت میری نگاہ میں مسلم لیگ کے وہ تمام اکابر اور ارکان بڑی تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے ان کی بہت بڑی مشکلات کو حل کیا، نشیب و فراز درست کیے، ہمارے تعاون کی قدر کی اور ہماری طرف سے اولاً مسلم لیگ کے اتحاد اور ثانیاً اسلامی جمہوری اتحاد کی مساعی کو نتیجہ خیز بنایا۔ میرا خیال ہے کہ خاص طور پر مسلم لیگ کو اور دوسری جماعتوں کو اور سب سے بڑھ کر مذہبی حلقوں کو ہمیشہ اس پر تیار رہنا چاہیے کہ وہ تعصب و تحزب کی حدبندیاں مٹا کر اعلیٰ ملّی مقاصد میں اتحاد کے لیے تیار رہیں۔ یہی کامیابی اور سلامتی کی راہ ہے۔

اب میں اپنے محبتوں اور عزیز ہمسفروں کی طرف روئے سخن کر کے ایک اہم مسئلے کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ مجھے بعض خطوط سخت الفاظ و انداز میں ایسے موصول ہوئے ہیں جن میں یہ اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ اتحاد کی خاطر اسلامی معیار سے کم تر لوگوں کو ووٹ دینے کے لیے ہمیں جس مجبوری میں ڈال دیا گیا ہے وہ ناقابلِ فہم یا ناقابلِ برداشت ہے۔ یہ دلیل تک سامنے آئی کہ نص جیسے نبی اور صحابہ اور اکابر علماء تک منسوخ یا تبدیل نہیں کر سکتے اسے ہمارا ایک وقتی انتخابی اتحاد بدل کے رکھ دیتا ہے۔ پھر کیا ہم ایک آدمی کے متعلق اقتدار کا اہل ہونے کی غلط شہادت دے سکتے ہیں؟

میں نے ان اعتراضات اور دلائل کا وزن محسوس کیا بلکہ خود بھی سخت ناگواری کے ساتھ اپنا ووٹ ایسے ہی ایک امیدوار کو دیا۔ خدا کا فضل ہے کہ ہماری جماعت میں اس طرزِ فکر کے اصحاب

موجود ہیں، یہ نہ ہوں تو زمین بنجر ہو جائے۔

لیکن بڑے معاملات میں بعض بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب معمول کے احکام سے نہیں مل سکتا۔ ہماری تگ و تاز ملک و ملت کو بہت بڑے خطرات سے بچانے کے لیے تھی اور ہم امریکی سامراج اور روسی و بھارتی دخل اندازیوں سے تحفظ ایک متحدہ قوت سے کرنا چاہتے تھے، ورنہ ہمارے لیے مصیبت اور تباہی کی بعض لاینحل صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ الگ الگ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں (اور ان سب کو ایک خط پر جمع نہ کیا جا سکا) کے بس کا یہ روگ نہ تھا کہ وہ سروں پر معلق مصیبتوں کے بادل سے نمٹیں۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ سابق صدر کے رخصت ہونے کے بعد سے امریکی نفوذ خاص طور پر بڑھنے لگا۔ اور سفارت کی آخری حدود احتیاط سے گزر کر انتخابات سے پہلے اس نے پی پی پی کی قیادت سے گہرے روابط پیدا کیے۔ انتخابات کے سارے ہنگامے میں ایک طرف پورے مغربی پریس اور ذرائع ابلاغ کو پاکستانی انتخابات کے متعلق ایک خاص لائن پر لگا دیا، دوسری طرف اس کے سفارت کاروں نے پی پی پی کی لیڈر شپ اور ذمہ داران حکومت سے کھلم کھلا میل جول رکھا، پریس کلبوں میں شرکت کی، پارٹی کی پریس کانفرنسوں اور دوسری میٹنگز میں حصہ لیا۔ علاوہ ازیں بیرونی فنڈ کے استعمال ہونے پر بھی پریس میں تذکرے رہے۔ اسی گرما گرمی میں یہودی افراد بھی برسوں سے قائم شدہ قید کو توڑ کر ہمارے ہاں آ گھسے۔ روس اور بھارت کی بھی خاصی اثر اندازی سامنے آتی رہی۔

ہمارے دوستوں اور دشمنوں کی اس ساری چلت پھرت کے دوران میں ایک سازش تو "ہانگ کانگ پلان" کی ابھر کر سامنے آئی جس کا مقصد صرف کراچی کو آئندہ کا ہانگ کانگ بنانا ہی نہ تھا، بلکہ ملک کے ٹکڑے مختلف شکاریوں کو تقسیم کرنے کے ارادے تھے۔ دوسرا خطرناک منصوبہ چین اور پاکستان کے درمیان ایک چھوٹی سی الگ ریاست بنانے کا معلوم ہوا جہاں اس وقت ایک خاص قسم کی اقلیت کا تشویشناک قبضہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہماری ایک سرحد پر ہندو اقلیت بیٹھی ہے، دوسری بڑی سرحد پر عیسائی اقلیت ہے اور تیسری سرحد پر اسمٰعیلی اور شیعہ گروہ ہیں۔ گلگت چترال کے علاقے میں الگ حکومت بنائے جانے کا خفیہ منصوبہ چند ہفتے پہلے فاش ہو چکا تھا۔ اور اب اس سلسلے میں بڑے بڑے بیرونی کارندوں کو ناپسندیدہ قرار دے کر واپس بھجوایا جا رہا ہے۔ لیکن ان افراد

کے ادل بدل سے سازش کی ڈوریاں تو نہیں کٹ سکتیں ۔ سیاچن گلیشئر پر بھارتی جارحیت کا تعلق بھی اسی سازش سے ہے جس کا مقصد پاکستان اور چین کے زمینی اور فضائی رابطے منقطع کرنا ہے ۔

برادرانِ مسلک! ایسے سنگین حالات میں جب کہ پاکستان پر ہر طرف سے میزائیل نشانہ باندھے ہوئے ہیں، ملک و ملت کے مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ جیسی بھی قوت جمع ہو کر دیوارِ مزاحمت بن سکے اس کا فوری انتظام کیا جائے ۔ حاصل شدہ قوت اگرچہ حسبِ معیار نہیں ہے، مگر ایک اچھی قوتِ مزاحم بن سکتی ہے ۔ بشرطیکہ اس کے افراد روپے، پیسے، پلاٹوں اور وزارتوں کی خریداری کے لیے منڈی میں اپنے ضمیروں کو سکے بنا کر نہ لے جائیں ۔

اب شرعی معیارات پر اس مسئلے کے تقاضوں کو جانچنے کے لیے اس مفروضے پر غور کیجیے کہ اگر کسی طرح یہ ممکن ہوتا کہ چند غلط الفکر یا کج کیش لوگوں کو ووٹ دینے یا نمائندہ لیڈر بنانے سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو روکا جا سکتا تو فتویٰ کیا ہوتا ۔ آیا چند غلط افراد کو ووٹ دینے کے گناہ سے بچنے کے لیے ملک کے ایک حصے کو ضائع کرا دینا درست ہوتا ؟ یہی صورت اب ہے ۔ کیا آپ اپنے ایمان و تقویٰ کے معیار کی سلامتی کے لیے یہ بات قبول کریں گے کہ پاکستان کسی سازش کا شکار ہو جائے ۔ اور اسے بچانے کے لیے محبانِ اسلام اور خادمانِ پاکستان کی سرے سے کوئی متحدہ طاقت ہی نہ ہو بلکہ منتشر افراد سوکھے پتوں کی طرح اِدھر سے اُدھر اڑنے کے لیے تیار رہیں ۔ یہ ایک خاص ملّی و اجتماعی حالتِ خطرہ و اضطرار ہے، اس پر کیا حکم لگایا جائے گا ۔

جماعت اور اس کی قیادت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تین اہم نکات پر مختلف جماعتوں اور ان کے افراد کی خاصی تعداد کو جمع کر لیا ۔ پہلا نکتہ نفاذِ اسلام، دوسرا نکتہ حمایت و امداد جہادِ افغانستان (اور اس سلسلے میں رواں پالیسی کا تحفظ) اور تیسرا نکتہ تحفظِ سالمیتِ پاکستان و نظریۂ پاکستان ۔

نہایت ہی ابتر حالات، مخالفین کی فتنہ گری اور وقت کی قلت کے باوجود اتنے کام کا ہو جانا کوئی معمولی واقعہ اور ادنیٰ خدمت نہیں ہے کہ جس کی قدر و قیمت محض اس وجہ سے ہماری نگاہوں میں گر جائے کہ فکر و عمل کے لحاظ سے بعض کمزور افراد کو ووٹ دینے کی آزمائش سے ہمیں گذرنا پڑا ۔

میرا خیال ہے کہ اب معترض دوست بہ آسانی مسئلے کو سمجھ سکیں گے ۔

ہماری انتخابی مہم کے کمزور پہلوؤں میں سے ایک کراچی کا مسئلہ ہے، جس کی انتخابی سیاست کا جہاز ایم کیو ایم کے ظہور سے قبل ہی پانی کی سطح سے نیچے جا رہا تھا۔ قوت کا ایک مظہر کارپوریشن میں ہماری پوزیشن تھی، اُسے اقتدار والوں نے غت ربود کر دیا۔ رہی سہی رمق قوت حالیہ انتخابات میں ختم ہو گئی۔ اِس معاملے میں میری شدتِ احساس اس وجہ سے ہے کہ میں کراچی کے طریقۂ کار اور وسعتِ کار کو پاکستان بھر کے لیے نمونہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ بڑے کرب کے ساتھ میں اس مسئلے پر برابر غور کرتا رہا ہوں اور مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کئی سال میں نہایت نمایاں شخصیتوں اور جیتوں کیش کارکنوں نے علمی، تعلیمی، صحافتی، سیاسی اور خدمتی دائروں میں پوری جان کاہی سے جو کام کیا ہے، وہ اِتنا زیادہ بے اثر ثابت کیوں ہوا۔ جیسے کسی پودے کی جڑ ہی نہ ہو اور اُس کو اُچک کے کوئی پرے پھینک دے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے ساتھ کام کرنے والے نوجوانوں میں اتنا ایمان اور تحریکی شعور نہ پیدا ہو سکا کہ وہ اپنے مشن کے علاوہ ہر دوسری وجۂ کشش کو اپنے اوپر اثر انداز نہ ہونے دیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو صحیح طریق سے دعوت نہیں ملی۔ بلکہ جلسوں اور افراد کے اچھے تکلم اور رویوں سے سرسری طور پر وہ آگے بڑھے اور پھر ساتھ چلنے لگے۔ ان کو بغور ضروری اور بنیادی لٹریچر کا مطالعہ کرنے اور اس سے پیدا ہونے والے سوالات پر بزرگوں سے تبادلۂ خیالات کا موقع نہیں ملا۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے مطالعہ سے بھی نہایت قطعی اور مخصوص اُصولوں اور حکمتوں کو اخذ کر کے گردوپیش کے حالات و مسائل پر چسپاں کرنے کا تجربہ نہیں کیا، بلکہ احکام کو حالات پر چسپاں کرنے والے اکابر کی محض تقاریر سنیں۔ مثلاً یہی کلیہ اگر کسی نے پلّے باندھ لیا ہو کہ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ تو اس سے سرشار ہونے والا شخص دوسری تمام نزاعات اور دلچسپیوں سے اپنی توجہ بالکل ہٹا لیتا ہے اور سیدھا قرآن و سنت سے روشنی لیتا ہے، جیسے کہ جماعتِ اسلامی کی تشکیل کرنے والوں نے کیا تھا اور جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں کا ذہن تھا۔ اندیشہ ہے کہ کہیں بعض کا نرا سیاسی رنگ اختیار کر جانا، ان میں دینی رُوح کا کم تر ہو جانا، حالات و اشخاص کو موضوع بنائے رکھنا اور لمحہ بہ لمحہ اُبھرنے والے رجحانات کے لیے جواز کی راہیں نکالنا، خرابی احوال کا سبب نہ ہو۔ ایسا سوچنے پر دل تیار نہیں ہوتا۔ اور کراچی کے اکابر و عمائد کے ایمان و قابلیت پر مجھے بڑا اعتماد رہا ہے۔ بہرحال وجہ جو کچھ بھی ہو، میرا یہ سوال دماغ سے نکلتا نہیں کہ کیوں نہ ایسا ہو سکا

کہ کراچی کے محلے محلے میں نہایت مضبوط بزرگوں اور نوجوانوں کے پاکٹ قائم ہو جاتے جن میں کسی کو کوئی لالچ اور کوئی دوسرا مقصد اور کوئی نیا نعرہ کھینچ نہ سکتا، بلکہ وہ دوسرے لوگوں کو اپنے سایے میں جگہ دے کر خون خرابے کی لہروں سے بچاتے ۔ یہ بات میرے ذہن میں خاص طور پر اس دن سے اُبھری جس دن کسی اسمٰعیلی یا بوہرے کا یہ بیان سامنے آیا تھا کہ کراچی کے جس علاقے میں ہمارا اثر ہے وہاں جس دن ہم نے اپنا امیدوار کھڑا کیا اُس دن کوئی طاقت ایک کروڑ روپیہ خرچ کرکے بھی ووٹروں پر اثر انداز نہ ہو سکے گی اور وہ امیدوار لازمی طور پر فاتح ہوگا ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عرصہ کار کو دیکھا جائے تو آج پورے کراچی کو اس مقام پہ ہونا چاہیے تھا کہ جماعت چیلنج کرکے کہہ سکتی کہ آؤ اور اس شہر میں ہم سے انتخابی مقابلہ کرکے کوئی سیٹ جیت کر دیکھو ۔ پورا کراچی نہ سہی، اس کے دو چار مضبوط حلقے اس حیثیت سے ضرور ہونے چاہییں تھے ۔ بلکہ میرا تو خواب یہ رہا ہے کہ پاکستان بھر میں چند اضلاع اور چند حلقے پوری طرح جماعتِ اسلامی کے زیرِ اثر ہوتے ۔

بہر حال ایک خیر خواہ یہ عرض کرتا ہے کہ معاملہ چند تقریروں اور کسی طرح کی قرار دادوں کا نہیں، بلکہ ضرورت ایک ایسے بورڈ یا کمیشن کی ہے جو تفصیلی حالات کا تجزیہ کرکے رپورٹ تیار کرے اور آئندہ کے کام کے لیے خطوط معین کرے ۔

دوسرا مسئلہ سندھ کا ہے ۔ سندھ میں اسلامی جمہوری اتحاد ہی خالی ہاتھ رہا تو جماعتِ اسلامی کو کیا ملتا ۔ لیکن ہمارے لیے سوال یہ سامنے آتا ہے کہ بنگلہ دیش کا معاملہ جس نوبت کو پہنچا وہ تو پہنچا، مگر بنگلہ میں لٹریچر کے تراجم کرکے کام کو کارکنوں نے اتنا پھیلایا ہے کہ علیحدگی سے قبل کے انتخابات میں پورے صوبہ میں جماعت کے امیدوار مجموعی طور پہ سیکنڈ پوزیشن میں آئے، اور آج تو اُن کی طاقت اچھی طرح محسوس ہو رہی ہے ۔ اگر محمد بن قاسم کے قدموں تلے آنے والی مبارک سرزمین میں پچھلے   اس طرح دعوت اور لٹریچر کو پھیلانے کی دوگونہ مہم چلتی تو آخر وہاں اولادِ آدم ہی تو بستی ہے جس کی اکثریت کلمہ اسلام پڑھتی ہے، وہ لوگ آخر اینٹ پتھر تو ثابت نہ ہوتے ۔

میں اس سے زیادہ کچھ بحث نہیں کر سکتا کہ سندھ کے حالات کو سمجھنے والے جماعتی دانشوروں کا کوئی کنونشن ورکشاپ طرز کا، جمع ہو کر نقشہ کار طے کرے ۔

صوبہ سرحد میں بھی ہماری پوزیشن بحیثیت جماعت اور بہ حیثیت آئی جے آئی پاس مارکس سے بہت

نیچے رہی۔

بلوچستان کا معاملہ بھی رنجیدہ ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ انتخابات کے تقاضوں کے دباؤ اور مقابلے کی کشمکش میں آکر ہم نے دینی اثرات کو کمزور تو نہیں ہونے دیا۔ اور اپنے اُصولوں اور روایات (خصوصاً نصوص) کے خلاف کوئی حرکات تو نہیں ہوئیں۔ یہ بھی ایسا معاملہ نہیں کہ اسے سرسری طور پر سامنے لاکر چھوڑ دیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ مجلسِ شوریٰ نے اس سلسلے میں تفصیلی چھان بین اور کارروائیوں کا فیصلہ کیا ہے۔

اصل اور سب سے بڑا مسئلہ[1] یہ ہے کہ ہمارا اصل کام لادینیت (اس کی مختلف شکلوں) کو شکست دینا اور دین کے اُصول و اقدار کو غالب و برتر کرنا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو قابلِ غور امر یہ ہے کہ آج لادینیت نے بہت ہی نمایاں طور پر پیش قدمی کرلی ہے اور ہم لوگوں کے دینی مورچے بہت پیچھے ہٹا دیئے گئے ہیں۔ ہماری جو پوزیشن قبل تقسیم تھی، آج شاید وہ بھی نہیں رہی۔ لیکن یہ تو حقیقت ہے کہ قرار دادِ مقاصد پاس ہونے کے زمانے میں اور ۲۲ نکات طے ہونے کے وقت اور ۱۹۵۶ء کا دستور بننے کے وقت تک بھی جماعت کے قلیل التعداد اور قلیل الوسائل ہونے کے باوجود معاشرے میں ہمارا وزن بہت زیادہ تھا۔ ۱۹۵۸ء میں ہمیں جب اچھی طرح استبداد میں کسا گیا ——— تب بھی ہماری حیثیت برتر تھی۔ صدر ایوب کی آمریت نے جب پاکستان کے دستور کی نام سے لفظ اسلامی اُڑانے کی کوشش کی تو اُسے سخت ناکامی ہوئی۔ اس زمانے تک رویت ہلال تک کے معاملات میں دینی محاذ کا فیصلہ

---

[1] اس مسئلے کا تعلق نہ صرف حالیہ انتخابات سے ہے، نہ موجودہ یا کسی سابق دورِ قیادت سے، نہ شوریٰ سے اور نہ کسی خاص فرد سے۔ بلکہ یہ تو تحریکی بہاؤ ہے جس کے لمبے دور میں غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر بعض بڑے چھوٹے موڑ پیدا ہوئے ہیں یا ساحل کٹتے رہے ہیں، یا خس و خاشاک موجوں پر سوار ہوئے ہیں کہ اُن کی وجہ سے ہمارے کام میں خلل آیا ہے۔

سرکاری اعلانات پر ہمیشہ غالب آنا تھا۔

اب جو تبدیلیاں بوجہ لادینیت و اباحیت اُبھر کر سامنے آئی ہیں، نیز معاشرے کے بگاڑ کے جو نئے سروسامان ہو رہے ہیں اور نفاذِ اسلام کی راہ میں جو نئے حالات مستزاد ہو رہے ہیں، اُن پر مجھے گفتگو کرنی ہے۔ تاکہ ہم ۲۴ سالہ تگ و تاز کے مقابل میں ماحصل پر نظر ڈال کر نئے خطوطِ کار کو اجاگر کر سکیں۔

افسوس ہے کہ ہمارے خوشنویس صاحب اس سے زیادہ لکھنے کے لیے صفحات میں گنجائش نہ ہونے پر توجہ دلا رہے ہیں۔ لہٰذا:

(باقی آئندہ)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)